بنی اسرائیل کا مصر سے خروج (Exodus)۔آنکھوں دیکھا منظر

بنی اسرائیل کو آل فرعون کی محکومی/غلامی سے کیسے نجات دلائی تھی اُس کے متعلق ارشاد فرمایا:

وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ ٱلْبَحْرَ
فَأَنجَيْنَـٰكُمْ
وَأَغْرَقْنَآ ءَالَ فِرْعَوْنَ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ۝ o

''اور جب ہم جناب نے تمہارے لئے سمندر پر الگ/نمایاں کردیا

جس کے ذریعے ہم جناب نے تم لوگوں کو بلند مقام پر محفوظ رکھتے ہوئے بچالیا۔

اور (اِس کے بعد پیچھا کرنے والے ہتھیار بند لشکر) آل فرعون کو ہم نے ڈبو دیا۔

فَرَقْنَا جمع متکلم واحد مذکر غائب کا مادہ ''ف ر ق'' ہے اور اِس کے بنیادی معنی سر کی مانگ ہیں جس سے دونوں طرف کے بال الگ الگ ہو جاتے ہیں اور درمیان میں مانگ نمایاں ہو جاتی ہے۔ابن فارس نے کہا ہے کہ اِس مادے کے بنیادی معنی ایک چیز کو دوسری چیز سے جدا/الگ کرنا ہیں اور چیزیں ایک دوسرے سے الگ ہو کر سر کی مانگ کی مانند نمایاں اور ممتاز ہو جاتی ہیں۔اِس لئے ف ر ق'' صرف اُس وقت استعمال ہوگا جب الگ کرنے کا مدعا و مقصد سر کی مانگ کی مانند نمایاں کرنا ہو۔

ٱلْبَحْرَ کا مادہ ''ب ح ر'' ہے جس میں سمویا بنیادی تصور وسیع پیمانے پر پھاڑنا/چیرنا ہے۔چنانچہ دریا اور سمندر کو بحر اِس لئے کہتے ہیں کہ زمین میں کھدا ہوا (lower place,trench) ہوتا ہے یعنی اس کی گزرگاہ اور مقام کو کھود/چیر کر زمین سے الگ اور متمیز کیا ہوا ہے۔

''فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ'' میں حرف ''ب'' کے معنی اوپر (عَلٰی) ہیں۔سمندر پر نمایاں/الگ کر دینے کو سبب اور ذریعہ قرار دیا۔فَأَنْجَيْنٰكُمْ کا ماضی کا صیغہ جمع متکلم۔''کُمْ'' ضمیر جمع مذکر حاضر یعنی بنی اسرائیل کے مخاطب لوگ۔حرف ''ف'' اِس بات کو نتیجہ اور قبل والی بات کو اِس کا سبب قرار دیتا ہے۔اِس کا مادہ ''ن ج وٗ'' ہے جس کے بنیادی معنی کسی ایسی چیز سے محفوظ رہنا جس میں خطرہ ہو۔ایسی جگہ کو کہتے ہیں جو اپنی بلندی کی وجہ سے اردگرد سے الگ اور ممتاز نظر آئے۔ایسی بلند جگہ کو کہتے ہیں جس کی بلندی کی وجہ سے اُس تک پانی نہ پہنچ سکے (تاج، محیط)۔اِن معنی اور مفہوم کی تصدیق و تائید خود اگلی بات نے کردی ''وَأَغْرَقْنَا'' ماضی کا صیغہ جمع متکلم۔''اور ہم نے ڈبو دیا''۔ایک فریق کو سمندر کے اوپر بلند/نمایاں کر دی گئی چیز پر بلند اور محفوظ رکھا، سمندر کے پانی کی دسترس/پہنچ سے بلند رکھتے ہوئے بچالیا گیا اور دوسرے فریق کو ڈبو دیا گیا جنہیں پہلا فریق اُس بلند چیز پر چلتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

بنی اسرائیل کے اُس زمانے کے لوگ تو آلِ فرعون کو اپنی آنکھوں سے ڈوبتا ہوا دیکھ رہے تھے لیکن اِس وقت وہ تمام منظر جس میں بنی اسرائیل کے لوگ سمندر پر نمایاں/بلند کی ہوئی شئے (پُل) پر بحفاظت پار اتر رہے ہیں اور اُن کے سمندر کو چھوڑ دینے کے بعد ہتھیار بند آلِ فرعون (فرعون اور اُس کے فوجی دستے) ڈوب رہے ہیں کیا ہم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ رہے؟ قرآنِ مجید کے الفاظ کا یہ اعجاز ہے کہ منظر نگاہوں میں گھوم جائے:

وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ ٱلْبَحْرَ

فَأَنجَيْنَٰكُمْ

وَأَغْرَقْنَآ ءَالَ فِرْعَوْنَ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ٥

''اور جب ہم جناب نے تمہارے لئے سمندر پر الگ/نمایاں کر دیا

جس کے ذریعے ہم جناب نے تم لوگوں کو بلند مقام پر محفوظ رکھتے ہوئے بچالیا۔

اور (اِس کے بعد پیچھا کرنے والے ہتھیار بند لشکر) آلِ فرعون کو ہم نے ڈبو دیا۔

اور اُس وقت تم لوگ انہیں ڈوبتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔'' (البقرۃ۔۵۰)

قرآنِ مجید تفسیر حقیقت ہے۔ قرآنِ مجید ثابت شدہ سچ یعنی حقیقت کی خبر (Breaking news) دیتا ہے۔ یہ بنی اسرائیل کے مصر سے خروج (Exodus) کی ہیڈ لائن ہے۔ یہ خروج کا آخرین سین (منظر) ہے۔ آئیں اِس خروج کی تفصیل (news in detail) سنیں اور خروج کو ابتداء سے آخر تک دیکھیں:

وَجَٰوَزْنَا بِبَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ ٱلْبَحْرَ

فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُۥ بَغْيًا وَعَدْوًا

''اور ہم نے بنی اسرائیل کے ساتھ انہیں سمندر عبور کرایا

جس پر پکڑنے کی شدید خواہش اور دشمنی کے سبب فرعون اور اُس کے لشکروں نے اُن کی اتباع کی'' (حوالہ یونس۔۹۰)

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ أَنزَلَ هَٰٓؤُلَآءِ إِلَّا رَبُّ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ بَصَآئِرَ

وَإِنِّى لَأَظُنُّكَ يَٰفِرْعَوْنُ مَثْبُورًا٥

''موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے [مصر میں] کہا'' تو یقیناً جان چکا ہے کہ انہیں [بیان کردہ آفتیں] آنکھیں کھولنے کیلئے آسمانوں اور زمین کے رب کے سوا کسی نے نازل نہیں کیا۔

اور اے فرعون! میں سمجھتا ہوں کہ تو خیر/بھلائی سے روک دیا گیا ہوا ہے'' (الاسراء۔۱۰۲)

فَأَرَادَ أَن يَسْتَفِزَّهُم مِّنَ الْأَرْضِ فَأَغْرَقْنَاهُ وَمَن مَّعَهُ جَمِيعًا ﴿۱۰۳﴾ (الاسراء-۱۰۳)

اِس پر فرعون نے چاہا کہ انہیں ملک میں گڑبڑا ر پریشان کر دے

اِس لئے ہم نے اُسے اور جو اُس کے ساتھ تھے تمام کے تمام کو ڈبو دیا"

وَلَقَدْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي

"اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو یقیناً [مصر میں] وحی کی تھی کہ میرے بندوں کو (رات کے وقت مصر سے) لے چل۔

فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا

اور اُن کیلئے سمندر میں موجود خشک ہوئے راستے کو سطح پر نمایاں رنمودار کریں۔

لَّا تَخَافُ دَرَكًا وَلَا تَخْشَىٰ ۝

آپ تعاقب کئے جانے سے خوف زدہ نہیں ہوں گے اور نہ کوئی اور اندیشہ لاحق ہوگا" (طٰہٰ-۷۷)

فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُودِهِ فَغَشِيَهُم مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿۷۸﴾

اِس لئے [بنی اسرائیل کے سمندر عبور کر جانے کی بناء پر اُس راستے پر] اُن کی اتباع کی فرعون نے اپنے لشکروں کے ساتھ۔

اِس لئے ربسبب سمندر میں سے اُن پر وہ آن پڑا اُن پر چھا گیا جس نے انہیں ڈبو دیا" (طٰہٰ-۷۸)

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي إِنَّكُم مُّتَّبَعُونَ ﴿۵۲﴾

"اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو وحی کی کہ میرے بندوں کو (رات کے وقت مصر سے) لے چل۔

تم لوگوں کا پیچھا رتعاقب کیا جائے گا"

فَأَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ۝

إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيلُونَ ۝

وَإِنَّهُمْ لَنَا لَغَائِظُونَ ۝

وَإِنَّا لَجَمِيعٌ حَاذِرُونَ ۝

اِس (تعاقب کے) لئے فرعون نے شہروں میں نقیب راکٹھے کرنے والے بھیجے (یہ پیغام دے کر)

"یہ تو یقیناً جمعیت سے الگ ہوا تھوڑے سے آدمیوں پر مشتمل ایک گروہ ہے۔

اور یہ لوگ ہمیں غصہ دلا رانتقام پر آمادہ کر رہے ہیں۔

اور ہم یقیناً ہتھیار بند رمسلح جمعیت ہیں" (الشعراء-۵۲-۵۶)

فَأَتۡبَعُوهُم مُّشۡرِقِينَ ۝

مجتمع ہونے پر انہوں (فرعون اور اُس کے بلائے گئے لشکروں) نے اُن (بنی اسرائیل کے گروہ) کا مشرق کی جانب تعاقب کیا۔

فَلَمَّا تَرَٰٓءَا ٱلۡجَمۡعَانِ

قَالَ أَصۡحَٰبُ مُوسَىٰٓ إِنَّا لَمُدۡرَكُونَ ۝

بر بنائے تعاقب جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا

تو اس وقت موسیٰ (علیہ السلام) کے ساتھی کہنے لگے "ہم یقیناً پکڑ لئے جائیں گے"

قَالَ كَلَّآۖ

إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهۡدِينِ ۝

موسیٰ (علیہ السلام) نے اُن سے کہا "ہرگز پکڑیں نہیں جائیں گے،

میرے رب یقیناً میرے ساتھ ہیں۔ وہ جلد ہی میری راہنمائی فرمائیں گے"

فَأَوۡحَيۡنَآ إِلَىٰ مُوسَىٰٓ أَنِ ٱضۡرِب بِّعَصَاكَ ٱلۡبَحۡرَۖ

اس لئے ہم جناب نے موسیٰ (علیہ السلام) کو وحی کی کہ اپنی لاٹھی کی مدد سے سمندر میں سے خشک راستہ نکالیں۔

فَٱنفَلَقَ

لاٹھی استعمال کرنے پر وہ خشک راستہ ازخود نمودار ہو گیا۔

فَكَانَ كُلُّ فِرۡقٖ كَٱلطَّوۡدِ ٱلۡعَظِيمِ ۝

اور نتیجتاً ہر حصہ ٹکڑا اس طرح تھا جیسے اپنی جگہ پر محکم جما بڑی ہڈی والا ٹکڑا ہو۔ (الشعراء۔۶۰۔۶۳)

وَأَزۡلَفۡنَا ثَمَّ ٱلۡأٓخَرِينَ ۝

وَأَنجَيۡنَا مُوسَىٰ وَمَن مَّعَهُۥٓ أَجۡمَعِينَ ۝

ثُمَّ أَغۡرَقۡنَا ٱلۡأٓخَرِينَ ۝

اور ہم دوسروں کو اُس مقام کے قریب لے آئے۔

اور ہم نے موسیٰؑ اور اُن تمام کے تمام کو جو اُن کے ساتھ تھے بلند رکھتے ہوئے بچا لیا

بعد ازاں بعد میں آنے والوں (فرعون اور اُس کے لشکروں) کو ہم جناب نے ڈبو دیا/غرق کر دیا۔ (الشعراء۔۶۴۔۶۶)

إِنَّ فِى ذَٰلِكَ لَأَيَةً

وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ٥

یقیناً اِس واقعہ رمنظر میں ایک فائدہ دینے والی بات رعلم ہے۔

[اِس کے باوجود] مگر اُن (یہود) میں اکثر ایمان لانے والے نہیں" (الشعراء۔٦٧)

فَأَخَذْنَٰهُ وَجُنُودَهُۥ فَنَبَذْنَٰهُمْ فِى ٱلْيَمِّ

فَٱنظُرْ كَيْفَ كَانَ عَٰقِبَةُ ٱلظَّٰلِمِينَ ٥

"اِس لئے [متذکرہ جرم کی بناء پر] ہم جناب نے فرعون اور اُس کے لشکروں کو گرفت میں لیا،

اور بسبب انہیں سمندر میں پھینک دیا۔

اِس لئے اِس منظر کو دیکھ کہ ظالموں کا انجام کیسا ہوا!" (القصص۔٤٠)

فَدَعَا رَبَّهُۥٓ أَنَّ هَٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُونَ ﴿٢٢﴾

"اِس لئے موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے رب کو پکارا" یہ مجرم قوم ہے"

فَأَسْرِ بِعِبَادِى لَيْلًا إِنَّكُم مُّتَّبَعُونَ ﴿٢٣﴾

وَٱتْرُكِ ٱلْبَحْرَ رَهْوًا

إِنَّهُمْ جُندٌ مُّغْرَقُونَ ٥

[ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو وحی کیا] اِس لئے میرے بندوں کو رات کو لے چل، تم لوگوں کا پیچھا رتعاقب کیا جائے گا۔

اور (پار پہنچنے پر) سمندر کو آپ چھوڑ دیں، ساکن، بلند حالت (ridge) میں۔

تعاقب میں آنے والا یقیناً ایک غرق ہونے والا لشکر ہے" (الدخان۔٢٢-٢٤)

فَأَخَذْنَٰهُ وَجُنُودَهُۥ فَنَبَذْنَٰهُمْ فِى ٱلْيَمِّ

وَهُوَ مُلِيمٌ ٥

"اِس لئے [متذکرہ جرم کی بناء پر] ہم جناب نے فرعون اور اُس کے لشکروں کو گرفت میں لیا،

اور بسبب انہیں سمندر میں پھینک دیا۔

اور وہ قابل ملامت کام کرنے رد یر کرنے والا تھا۔" (الذاریات۔٤٠)

قرآنِ مجید کا یہ بیان زبان کے حروف اور الفاظ کے معنی رتصور اور مفہوم کی گہرائی رگیرائی اور وسعت کو جاننے والے ایک عرب کی سماعتوں اور بصارتوں کیلئے ہے۔اِس بیان کو سنتے ہوئے اِس تمام واقعے کو اپنی بصارت سے دیکھتا ہوا وہ محسوس کرسکتا ہے۔اور اگر قرآنِ مجید کے اِس واقعہ کے متعلق بیان کو سن کر اِس واقعے کو ہم عجمی یوں محسوس کرنا چاہتے ہیں جیسے تمام منظر ہماری بصارت میں ہو تو اُس کیلئے ہلکی سی محنت اور لگن درکار ہے کہ حروف اور الفاظ کے باہمی ملاپ اور ربط کو نگاہ میں رکھیں اور اُن میں سموئے تصور رمعنی و مفہوم کو یاداشت میں محفوظ رکھیں:

ٱلَّذِينَ ءَاتَيْنَـٰهُمُ ٱلْكِتَـٰبَ يَتْلُونَهُۥ حَقَّ تِلَاوَتِهِۦٓ أُو۟لَـٰٓئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِۦ ۗ

''جنہیں ہم نے کتاب دی ہے اِسے یوں پڑھتے ہیں جیسے اِسے پڑھنے کا حق ہے۔وہی اُس پر ایمان لاتے ہیں'' (حوالہ البقرۃ۔۱۲۱)

يَتْلُونَهُۥ اور تِلَاوَتِهِۦٓ کا مادہ ''ت ل و'' ہے۔جناب راغب نے کہا ہے کہ اس کے معنی کسی کے پیچھے اِس طرح چلنا ہیں کہ اُن دونوں کے درمیان کوئی غیر حائل نہ ہو۔کتاب کو پڑھنے کے معنی میں اِس کا مفہوم یہ ہے کہ کتاب کو حرف بحرف،لفظ بہ لفظ پڑھنا کہ کتاب کے الفاظ اور ادائیگی زبان کے درمیان کوئی غیر شئے رتخیل ردوسری بات حائل نہ ہو۔

کتاب کا حق تلاوت یہ ہے کہ اُس کی بات کو انہماک اور توجہ سے سن کر ذہن رعقل تک اِس انداز میں رسائی کرنے دیا جائے کہ کتاب کی بات اور ہمارے ذہن کے درمیان خارج از کتاب بات حائل نہ ہو۔کتاب کا حق تلاوت یہ ہے کہ ہمارے ذہن ریاداشت میں پہلے سے موجود علم رتصورات (perceptions)، روایات،لوگوں کی کہی اور سنی سنائی باتیں،خواہشات کتاب کی بات اور ہماری عقل کے مابین حائل نہ ہوں۔کتاب کی بات کو پہلے بغیر ملاوٹ کے عقل تک جانے دو پھر اُس پر تعقل کرو راُس کا تجزیہ کرو۔یہ کتاب کا حق تلاوت ہے۔سچ کے متلاشی سنجیدہ انسان کا ہر کتاب کے ساتھ یہی انداز اور برتاؤ ہونا چاہئے۔

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ ٱلْقُرْءَانَ ۚ

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ ٱللَّهِ لَوَجَدُوا۟ فِيهِ ٱخْتِلَـٰفًا كَثِيرًا ○

''تو کیا وہ قرءان (مجید) میں تدبر نہیں کرتے!

اور اگر یہ اللہ کے علاوہ کسی کی جانب سے ہوتا تو اِس میں بیان کردہ باتوں میں کثیر اختلاف پاتے'' (سورۃ النساء۔۸۲)

قرآنِ مجید میں انسان تدبر کرے تو اِس میں بیان کردہ واقعات ایسے دکھائی دیتے ہیں جیسے ہم پڑھ نہیں رہے بلکہ وڈیو کلپ دیکھ رہے ہیں۔''تدبر'' کیا ہے؟ اس کا مادہ ''د ب ر'' اور معنی ہر شئے کا پچھلا حصہ،پیٹھ،پشت،بات کا انجام ہیں۔کسی معاملہ کے تمام مراحل پر نظر رکھتے ہوئے اُس میں غور و فکر کرنا۔قرآنِ مجید میں تدبر کا مفہوم یہ ہے کہ قاری اِس کے کسی بھی مقام پر اپنی رائے،گمان اور تخیل سے کچھ اخذ نہ کرے،اپنی جانب سے کوئی وضاحت (عربی زبان میں۔بیان) پیش نہ کرے۔کتاب میں تدبر کا مفہوم اُس میں بیان کردہ تمام کے تمام متن،پہلی اور آخری بات کو گہری اور تنقیدی نگاہ سے دیکھنا ہے۔قرآنِ مجید تفسیر حقیقت ہے۔یہ اپنے میں دلچسپی لینے اور تدبر کرنے والے کیلئے اپنی ہر بات اور الفاظ کو تصریف آیات کے ذریعے نکھار کر الگ الگ کرکے واضح فرماتا ہے۔

آئیں بنی اسرائیل کے مصر سے خروج کے متعلق آیات مبارکہ کو رَتِّلِ ٱلْقُرْءَانَ تَرْتِيلًا کے انداز میں پڑھیں تاکہ ہماری تمام تر توجہ اُن ہی میں رہے اور کتاب اور ہمارے ذہن کے درمیان خارج از کتاب بات حائل نہ ہو جس سے ہمارے لئے ممکن ہو سکے کہ اُس منظر کو ہم بھی اپنی بصارتوں میں لے سکیں۔

وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ ٱلْبَحْرَ

فَأَنجَيْنَـٰكُمْ

اور جب ہم جناب نے تمہارے لئے سمندر پر الگ رنمایاں کر دیا

جس کے ذریعے ہم جناب نے تم لوگوں کو بلند مقام پر محفوظ رکھتے ہوئے بچا لیا۔

وَأَغْرَقْنَآ ءَالَ فِرْعَوْنَ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ○

اور (اِس کے بعد پیچھا کرنے والے ہتھیار بند لشکر) آل فرعون کو ہم نے ڈبو دیا۔

اور اُس وقت تم لوگ انہیں ڈوبتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔'' (البقرۃ۔۵۰)

کہاں ڈبو دیا؟ اور کب ڈبو دیا؟

وَجَـٰوَزْنَا بِبَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ ٱلْبَحْرَ اور ہم نے بنی اسرائیل کے ساتھ انہیں سمندر عبور کرایا۔ (حوالہ یونس۔۹۰)

جَـٰوَزْنَا: ماضی کا صیغہ جمع متکلم۔ اِس کا مادہ ''ج و ز'' ہے۔ ابن فارس نے کہا کہ اِس کے بنیادی معنی رتصور کسی چیز کو قطع کرنا ہیں۔ کسی مقام سے گزر جانا، عبور کر جانا۔ ''اَلْمَجَازُ'' راستہ جسے ایک طرف سے دوسری طرف کو قطع کیا جائے (تاج)۔

فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُودِهِۦ ''بنی اسرائیل کے سمندر عبور کر جانے پر اِس سبب سے فرعون اور اُس کے لشکروں نے اُن کی اتباع کی'' (حوالہ یونس۔۹۰)۔ اللہ اِس بات سے مجھے پناہ دے کہ کسی آیت مبارکہ کے ترجمے میں اپنی جانب سے کچھ لکھوں۔ اِس ترجمے میں کوئی ایک لفظ بھی میں نے اپنی جانب سے نہیں لکھا۔ ''فَأَتْبَعَهُمْ'' میں حرف ''ف'' سے قبل والی بات بعد والے فعل کا سبب ہوتی ہے اور وہ ہے بنی اسرائیل کو سمندر عبور کرا دیا جانا۔ ''أَتْبَعَهُمْ'' ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب۔ ''هُمْ'' ضمیر جمع مذکر غائب، سمندر عبور کر جانے والے بنی اسرائیل۔ اِس کا مادہ ''ت ب ع'' ہے جس کے بنیادی معنی کسی کے پیچھے چلنا ہے، کسی کے عمل رہدایت رحکم پر چلنا، اتباع کرنا۔ اتباع ہمیشہ فعل و عمل ہے۔ جس مقام اور جس ذریعے سے بنی اسرائیل کو سمندر عبور کرایا گیا تھا اسی کو پہلے فرعون اور پھر اُس کے لشکروں نے اختیار کیا۔ اِس لئے اِس مقام پر سمندر عبور کرتے ہوئے ڈبو دیئے گئے جبکہ بنی اسرائیل سمندر عبور کر کے دوسرے کنارے پر پہلے سے پہنچے ہوئے تھے اور یہی بات اِس واقعے کی خبر کی سرخی (headline) میں بھی مکمل موجود ہے: وَأَغْرَقْنَآ ءَالَ فِرْعَوْنَ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ

''اور آل فرعون کو ہم نے ڈبو دیا اور تم دوسرے کنارے پر انہیں ڈوبتے ہوئے دیکھ رہے تھے'' (حوالہ البقرۃ۔۵۰)۔

آیت مبارکہ میں ''دوسرے کنارے پر'' کے لئے الگ سے الفاظ نہیں ہیں مگر سمندر کو عبور کر جانا اپنے آپ میں یہ بتاتا ہے کہ سمندر کے پار دوسرے کنارے پر وہ موجود ہیں۔ اور ''تَنْظُرُوْنَ'' بھی یہی کہہ رہا ہے کہ تم دوسرے کنارے سے اُن کے ڈوبنے کا نظارہ کر رہے تھے۔ ''تَنْظُرُوْنَ'' جبھی استعمال ہو سکتا ہے جب دیکھی جانے والی شئے اور آنکھوں سے دیکھنے والے روبرو ہوں۔

موسیٰ علیہ السلام ھارون علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے لوگوں کو لے کر مصر سے سمندر کے کنارے پہنچے کیوں تھے اور فرعون اور اُس کے لشکروں نے اُن کا تعاقب کیوں کیا اور پھر اُن کے سمندر پار ہو جانے کے باوجود اُن کی اتباع کیوں کی؟ فوری وجہ/سبب بتایا

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ أَنزَلَ هَٰٓؤُلَآءِ إِلَّا رَبُّ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ بَصَآئِرَ

''موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے [مصر میں] کہا ''تو یقیناً جان چکا ہے کہ اِن [بیان کردہ آفتوں] کو آنکھیں کھولنے کیلئے آسمانوں اور زمین کے رب کے سوا کسی نے نازل نہیں کیا۔

وَإِنِّى لَأَظُنُّكَ يَٰفِرْعَوْنُ مَثْبُورًا ۝ اور اے فرعون! میں سمجھتا ہوں کہ تو خیر/بھلائی سے روک دیا گیا ہوا ہے''

فَأَرَادَ أَن يَسْتَفِزَّهُم مِّنَ ٱلْأَرْضِ فَأَغْرَقْنَٰهُ وَمَن مَّعَهُۥ جَمِيعًا ﴿١٠٣﴾

اِس پر فرعون نے چاہا کہ انہیں ملک میں گڑبڑا/پریشان کر دے

اِس لئے ہم نے اُسے اور جو اُس کے ساتھ تھے تمام کے تمام کو ڈبو دیا'' (الاسراء۔۱۰۲۔۱۰۳)

وجہ بتا دی اور خبر کی اہم بات کو نئی اطلاع کے ساتھ بتایا کہ فرعون اور اُس کے ساتھ تمام لوگوں کو غرق کر دیا گیا تھا۔ اُن میں سے کوئی ایک بھی ڈوبنے سے بچ کر ساحل پر نہیں پہنچ سکا تھا۔ اِس اطلاع سے متجسس ذہنوں کیلئے بھی کوئی تذبذب نہیں رہتا جو گمان کر سکتے تھے کہ تربیت یافتہ فوجیوں میں سے اچھے تیراک شاید ڈوبنے سے بچ گئے ہوں۔ جس ملک کے وسط میں دریائے نیل بہتا ہو اور دو جانب سمندر ہو تو اُس ملک کی باقاعدہ فوج کے متعلق بعض ذہنوں کیلئے یہ گمان کرنا مشکل تھا کہ پانی کی طغیانی سے تمام فوج ڈوب گئی۔ خبر یہ ہے کہ تمام کی تمام فوج کو ڈبو دیا گیا اور مصر سے نکلنے کے متعلق خبروں کے سلسلے (up dates) کو جاری رکھتے ہوئے بتایا:

وَلَقَدْ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ مُوسَىٰٓ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِى

''اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو یقیناً [قریب ماضی۔ مصر میں] وحی کی تھی کہ میرے بندوں کو (رات کے وقت مصر سے) لے چل

فَٱضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِى ٱلْبَحْرِ يَبَسًا

اور اُن کیلئے سمندر میں موجود خشک ہوئے راستے کو سطح پر نمایاں/نمودار کریں۔

لَّا تَخَٰفُ دَرَكًا وَلَا تَخْشَىٰ ۝

آپ تعاقب کئے جانے سے خوف زدہ نہیں ہوں گے اور نہ کوئی اور اندیشہ لاحق ہوگا'' (طٰہٰ۔۷۷)

فَأَتۡبَعَهُمۡ فِرۡعَوۡنُ بِجُنُودِهِۦ فَغَشِيَهُم مِّنَ ٱلۡيَمِّ مَا غَشِيَهُمۡ ﴿٧٨﴾

اِس لئے [بنی اسرائیل کے سمندر عبور کر جانے کی بناء پر اُس راستے پر] اُن کی اتباع کی فرعون نے اپنے لشکروں کے ساتھ۔
پھر بوجوہ سمندر میں سے اُن پر وہ آن پڑا/اُن پر چھا گیا جس نے انہیں ڈبو دیا" (طٰہٰ۔۷۸)

قرآنِ مجید میں کمال کا ربط، ترتیب اور تسلسل ہے۔ کسی واقعہ کے متعلق مختلف معلومات کو مختلف مقام پر ایک انفرادی اطلاع کے طور پر پڑھیں تو وہاں بھی مکمل ربط ملے گا اور اگر اُن تمام معلومات کو اُن تمام مقامات سے الگ کر کے اور یکجا کر کے ایک واقعہ/مضمون کی طرح پڑھیں تو بھی مکمل ربط اور تسلسل پایا جاتا ہے۔ قرآنِ مجید کے جس قاری نے اِسے سورۃ الاسراء سے پڑھنا شروع کیا ہے اور اِس سے قبل کا بیان اُس کے علم میں نہیں ہے تو آیت ۱۰۳ کی خبر اُسے نا تمام محسوس ہو سکتی ہے۔ تمام کیلئے ربط اور تسلسل کو قائم رکھتے ہوئے خبر کی جزئیات/معلومات کو بتایا گیا "اِس لئے ہم نے فرعون اور جو اُس کے ساتھ تھے تمام کے تمام کو ڈبو دیا"۔ "وَ لَقَدۡ" "اور اِس سے قبل/ماضی میں/اور یقیناً"۔ حرف "قَدۡ" ماضی کو ماضی قریب ظاہر کرنے لگتا ہے اور فعل ماضی کے ساتھ تحقیق/یقین کا اظہار کرتا ہے اور حرف "ل" بڑھانے سے تحقیق/یقین پر تاکید (emphasis) بڑھ جاتی ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کو شہرِ مصر میں وحی کے ذریعے بتایا گیا کہ "میرے بندوں" کو نکال کر لے جائیں اور کہا:

فَٱضۡرِبۡ لَهُمۡ طَرِيقًا فِي ٱلۡبَحۡرِ يَبَسًا۔ حرف "ف" کے بعد امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر "اِضۡرِب" ہے۔ حرف "ف" کے استعمال سے واضح ہے کہ راستہ نکالنے کا کوئی سبب/ذریعہ ضرور بنے گا جو موسیٰ علیہ السلام کو مصر میں نہیں بتایا گیا۔ لیکن یہ واضح کر دیا گیا کہ انہوں نے بندوں کو سمندر کی جانب لے کر جانا ہے جہاں انہیں لوگوں کے پار جانے کیلئے سمندر میں خشک راستہ نکالنا ہے۔ "اِضۡـرِب" کا مادہ "ض ر ب" جس کے عام طور پر معنی "مارنا، چوٹ لگانا" لئے جاتے ہیں۔ قرآنِ مجید نے اِس کے معنی اپنے گھروں سے باہر زمین میں نکلنا بتائے ہیں (حوالہ البقرۃ۔۲۷۳، آلِ عمران۔۱۵۶، النساء۔۹۴۔۱۰۱؛ المائدہ۔۱۰۶؛ المزمل۔۲۰) اور اِس کے معنی مثال دینا ہے۔ مثال دینے کا بنیادی مقصد بات کو نمایاں اور ظاہر کرنا ہے اور گھر سے باہر زمین میں نکلنے کا نتیجہ بھی نمایاں اور ظاہر ہونا ہے۔

آیت مبارکہ کے الفاظ فَٱضۡرِبۡ لَهُمۡ طَرِيقًا فِي ٱلۡبَحۡرِ يَبَسًا کا لفظی ترجمہ کرتے ہوئے "اِضۡرِب" کے معنی "مار/ضرب لگا" کر کے دیکھیں "پھر/اور مار اُن کیلئے راستہ سمندر میں خشک" تو ہمارا لکھا ہوا یہ جملہ بے سر و پا اور لایعنی ہو جاتا ہے۔ اور "مار" کی بجائے لفظ "نکال" لکھیں تو جملہ "پھر/اور نکال/نمایاں کر اُن کیلئے راستہ سمندر میں خشک" بامعنی ہے۔ سمندر میں خشک راستہ یا تو بنایا جاتا ہے یا نگاہوں سے اوجھل اس کے اندر پہلے سے موجود راستے کو دوسروں کیلئے نکالا/نمایاں کیا/دکھایا جاتا ہے۔

طَرِيقًا راستے کے متعلق کہا گیا تھا "يَبَسًا"۔ لغت میں اِس کے متعلق مجھے یوں ملتا ہے "مصدر بمعنی اسم فاعل"۔ گرائمر کی باریکیوں میں الجھے بغیر اِس کو تسلیم کریں تو فَٱضۡرِبۡ لَهُمۡ طَرِيقًا فِي ٱلۡبَحۡرِ يَبَسًا کے معنی یہ ہیں "پھر نکال اُن کیلئے خشکی دینے/پیدا کرنے والا راستہ سمندر میں"۔

اِس کا مادہ ’’ی ب س‘‘ اور معنی کسی مرطوب چیز کا خشک ہو جانا ہیں۔ پنڈلی کے کنارے کی جانب کی ہڈی کو کہتے ہیں جس پر گوشت نہیں ہوتا، پنڈلی کا نیچے کی جانب ڈھلتا (tapering) مقام۔

’’بنی اسرائیل کے سمندر عبور کر جانے پر / اِس سبب سے فرعون اور اُس کے لشکروں نے اُن کی اتباع کی‘‘ (حوالہ یونس۔۹۰)۔

اگر چہ ’’ أَتۡبَعَهُمۡ ‘‘ ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب ہی نے واضح کر دیا تھا کہ اتباع پہلے فرعون نے کی اور لشکر اُسکے پیچھے چلے لیکن یہاں فَأَتۡبَعَهُمۡ فِرۡعَوۡنُ بِجُنُودِهِۦ ’’بنی اسرائیل کے سمندر عبور کر جانے پر / اِس سبب سے فرعون نے اپنے لشکروں کو ساتھ لے کر اُن کی اتباع کی‘‘ ’’بِجُنُودِهِۦ‘‘ ’’اپنے لشکروں کو ساتھ (along with) لے کر‘‘ نے یہ بھی بتایا کہ فیصلہ فرعون کا تھا اور اُس کی رہنمائی میں لشکر اُس کے پیچھے چلے ’’وَ هُوَ مُلِيمٌ‘‘ ’’اور وہ قابل ملامت کام کرنے / در یر کرنے والا تھا‘‘ (حوالہ الذاریات ۴۰)

فَغَشِيَهُم مِّنَ ٱلۡيَمِّ مَا غَشِيَهُمۡ

’’پھر بوجوہ سمندر میں سے اُن پر وہ آن پڑا / اُن پر چھا گیا جس نے انہیں ڈبو دیا‘‘ (طٰہٰ۔۷۸)

’’فَغَشِيَهُمۡ‘‘ واحد مذکر غائب ماضی معروف۔ ’’وہ اُن پر چھا گیا، اُس نے انہیں ڈھانک لیا، وہ اُن کے اوپر آن پڑا‘‘۔ وہ ڈوبے نہیں تھے بلکہ انہیں اس شئے نے پانی میں غرق کر دیا تھا جو ان پر چھا گیا تھا جب انہیں سمندر میں پھینک دیا گیا تھا۔

اِس واقعہ کی خبر کی تمام جزئیات کو عیاں کرنے کیلئے فرمایا

وَأَوۡحَيۡنَآ إِلَىٰ مُوسَىٰٓ أَنۡ أَسۡرِ بِعِبَادِيٓ إِنَّكُم مُّتَّبَعُونَ ﴿٥٢﴾

’’اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو وحی کی کہ میرے بندوں کو (رات کے وقت مصر سے) لے چل۔

تم لوگوں کا یقیناً تعاقب کیا جائے گا‘‘

فَأَرۡسَلَ فِرۡعَوۡنُ فِي ٱلۡمَدَآئِنِ حَٰشِرِينَ ﴿٥٣﴾ إِنَّ هَٰٓؤُلَآءِ لَشِرۡذِمَةٞ قَلِيلُونَ ﴿٥٤﴾ وَإِنَّهُمۡ لَنَا لَغَآئِظُونَ ﴿٥٥﴾ وَإِنَّا لَجَمِيعٌ حَٰذِرُونَ ﴿٥٦﴾

اِس (تعاقب کے) لئے فرعون نے شہروں میں نقیب / اکٹھے کرنے والے بھیجے (یہ پیغام دے کر) ’’یہ تو یقیناً بڑی جماعت سے الگ ہوئی تھوڑے سے آدمیوں پر مشتمل ٹولہ ہے۔ اور یہ لوگ ہمیں غصہ دلا / انتقام پر آمادہ کر رہے ہیں

اور ہم یقیناً ہتھیار بند / مسلح جمعیت ہیں‘‘ (الشعراء۔۵۲۔۵۶)

فرعون جیسے آمر حقیقت میں کس قدر بزدل ہوتے ہیں اس کا اندازہ فرعون کے اِس پیغام سے ہو جاتا ہے۔ اکیلے اپنے لشکر (King's/President Brigade) کے ہمراہ ایک نہتی غلام قوم کا تعاقب کرنے کا حوصلہ بھی نہیں۔ آمر کو موت کا خوف ہو تو دوسروں کا ہاتھ پکڑ کر انہیں بھی ساتھ لے کر سفر کرتے ہیں۔ ایک چھوٹی سی ٹولی کا تعاقب کرنے کیلئے فرعون کو اپنی یونٹ کے علاوہ دوسرے ہتھیار بند لشکروں کی مدد درکار ہے۔ آمر کوئی بھی ہو خوف کے خول کے اندر ہر وقت بند ہوتا ہے۔ عین خروج کے وقت فرعون

کی معلومات (intelligence reports) کے مطابق بنی اسرائیل کی تعداد لاکھوں میں نہیں بلکہ قلیل تعداد پر مشتمل جماعت تھی۔

فَأَتْبَعُوهُم مُّشْرِقِينَ ۝

مجتمع ہونے پر انہوں (فرعون اور اُس کے بلائے گئے لشکروں) نے اُن (بنی اسرائیل کے گروہ) کا مشرق کی جانب تعاقب کیا۔

فَلَمَّا تَرَاءَا الْجَمْعَانِ

قَالَ أَصْحَابُ مُوسَىٰ إِنَّا لَمُدْرَكُونَ ۝

بر بنائے تعاقب جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا

تو اس وقت موسیٰ (علیہ السلام) کے ساتھی کہنے لگے "ہم یقیناً پکڑ لئے جائیں گے"

"مُشْرِقِينَ" اسم فاعل جمع مذکر منصوب۔ اِس کا مادہ "ش ر ق" ہے اور بنیادی طور پر شگاف کو کہتے ہیں، وہ مقام جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے یعنی مشرق۔ مشرق یعنی سورج طلوع ہونے کے مقام کی سمت میں جانا۔ مصر سے خروج کا اختیار کردہ راستہ مشرق کی سمت تھا اور مصر کے مشرق میں خلیج سویز (سمندر) ہے دریائے نیل نہیں۔

فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا میں حرف "ف" سے موسیٰ علیہ السلام کیلئے یقین دہانی موجود تھی کہ سمندر میں راستہ بننے کا سبب/طریقہ موجود ہے اِس لئے "ہم یقیناً پکڑ لئے جائیں گے" کی نفی کرتے ہوئے فرمایا:

قَالَ كَلَّا ۖ

إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ ۝

موسیٰ (علیہ السلام) نے اُن سے کہا "ہرگز پکڑیں نہیں جائیں گے،

میرے رب یقیناً میرے ساتھ ہیں۔ وہ جلد ہی میری راہنمائی فرمائیں گے"

طَرِيقًا راستہ کیسے نکالا؟ بتایا

فَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنِ اضْرِب بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۖ

اس لئے ہم جناب نے موسیٰ (علیہ السلام) کو وحی کی کہ اپنی لاٹھی کی مدد سے سمندر میں سے خشک راستہ نکالیں۔

فَانفَلَقَ

لاٹھی استعمال کرنے پر وہ خشک راستہ ازخود نمودار ہو گیا۔

فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ ۝

اور نتیجتاً ہر حصہ/ٹکڑا اُس طرح تھا جیسے اپنی جگہ پر محکم جما بڑی ہڈی والا ٹکڑا ہو۔ (الشعراء۔۶۰۔۶۳)

مصر میں کہا گیا تھا فَٱضۡرِبۡ لَهُمۡ طَرِيقٗا فِي ٱلۡبَحۡرِ يَبَسٗا اور اِس راستے کو نکالنے کیلئے رہنمائی مانگی گئی تو وحی کیا گیا ''أَنِ اضۡرِب بِّعَصَاكَ '' ''کہ نکال اپنی چھڑی کے ساتھ'' اِس لئے یہاں اِس بات ''لَهُمۡ طَرِيقٗا '' [اُن کیلئے راستہ] کو دہرانا الفاظ کے ضیاع کے مترادف ہے۔ قرآنِ مجید کی دنیا کی تمام کتابوں سے انفرادیت یہ بھی ہے کہ اِس میں لفاظی رالفاظ کا پھیلاؤ (volume) نہیں ہے جس سے عربی مبین کی جامعیت کا اظہار ہوتا ہے۔

قرآنِ مجید میں بیان کردہ واقعات کو مکمل ربط اور تسلسل سے اِس انداز میں دیکھنے کیلئے جیسے ہم انہیں وقوع پذیر ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں یہ ضروری ہے کہ ہم اِس واقعہ کو بیان کرنے والی تمام آیات کو زیرِ نظر اور یادداشت میں محفوظ رکھیں اور اِن کے کسی بھی حرف اور لفظ کے معنی اور مفہوم سے صرفِ نظر نہ کریں۔ اِس واقعہ کو بیان کرنے والی آیات میں حرف ''ف'' انتہائی اہمیت کا حامل ہے جس سے صرفِ نظر کرنے کی وجہ سے ہم اُس منظر کو صحیح طور پر دیکھ اور سمجھ نہیں سکتے جو قرآنِ مجید نے بتایا ہے۔ حرف ''ف'' اور حرف ''واؤ'' میں بنیادی فرق یہ ہے کہ حرف ''ف'' باتوں رواقعات کے ربط اور تسلسل یعنی ترتیب کو اِس انداز میں بیان کرتا ہے کہ اِس سے قبل اور بعد میں بیان ہوئی بات میں باہمی تعلق یعنی سبب اور نتیجے کا اظہار ہو۔ یہ تعقیب کیلئے ہے یعنی ایک واقعہ کے بعد جتنی مدت میں دوسرا واقعہ ہوتا ہو اُس مدت میں اُس کے وقوع پذیر ہونے کا اظہار ہے۔ حرف ''ف'' سے قبل والی بات سبب بنتی ہے اُس بات رواقعے کا جو اِس کے بعد بیان ہوتا ہے۔ اور اگر دو باتوں کے درمیان اِس طرح آئے کہ محض تسلسل اور ترتیب کا اظہار ہو اور اِس حرف سے قبل اِس کے بعد والی بات کا سبب بیان نہ ہوا ہو تو حرف ''واؤ'' کی بجائے اِس حرف کا استعمال واضح کر دیتا ہے کہ اِس موقع پر بعد والی بات کا سبب بننے والی شئے ربات کا ذکر نہیں کیا گیا مگر اُس کا سبب ضرور ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے سمندر کے ساحل پر کھڑے اپنی چھڑی سے سمندر میں سے کسی ''يَبَسٗا'' شئے کو نکالا تو نتیجہ تھا فَٱنفَلَقَ حرف ''ف'' بعد والی بات کو اِس سے قبل موسیٰ علیہ السلام کے عمل کا نتیجہ بتاتا ہے۔ ''اِنۡفَلَقَ'' ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب۔ اِس کا مادہ ''ف ل ق'' ہے اور معنی کسی شئے کو اِس انداز میں نمایاں کرنا ہے جیسے صبح ابھر کر اشیاء کے نقوش واضح کر دیتی ہے۔ الفلق کے معنی صبح کا نور، اول صبح ہیں۔ (قاموس، زجاج، راغب)۔ تاج ومحیط کے مطابق اِس کے معنی مشکلات کے بعد حق رحقیقت کے نمایاں ہو جانے کے ہیں۔ ''اِنۡفَلَقَ'' کے معنی ومفہوم رتصور (perception) نمودار اور واضح ہو جانا ہے۔

إِنَّ ٱللَّهَ فَالِقُ ٱلۡحَبِّ وَٱلنَّوَىٰۖ

''بیشک اللہ ہی بیج اور گٹھلی کو پھاڑنے، حیات اور مادے، حیات کو نمودار کرنے والا ہے'' (حوالہ الانعام۔۹۵)

فَالِقُ ٱلۡإِصۡبَاحِ

''وہ صبح کو نمودار کرنے والا ہے'' (حوالہ الانعام۔۹۶)

''اور پھر نکال رنمایاں کراُن کیلئے راستہ فِی الْبَحْرِ يَبَسًا سمندر میں خشکی دینے والا''۔ ''أَنِ اضْرِب '' کی تعمیل نکالنے کا نتیجہ ''انْفَلَقَ'' بھی اِس حقیقت کوعیاں ربیان کرر ہا ہے ''لَهُمْ طَرِيقًا '' اُن لوگوں کیلئے راستے کا نمایاں رنمودار ہو جانا۔ جو راستہ ابھر کرر الگ الگ ٹکڑوں میں نمایاں ہو گیا تھا (كُلُّ فِرْقٍ) اُن میں سے ہرایک ایک ٹکڑا رحصہ کیسا دکھائی دیتا تھا؟ اُس وقت ہر ٹکڑا جس انداز رشئے کی مانند دکھائی دیتا تھا اُس کیلئے كَٱلطَّوْدِ ٱلْعَظِيمِ استعمال کیا گیا ہے۔حرف ''کَ'' کے معنی ''کسی شئے کے مانند، مثل''۔ابھر کر نمایاں ہونے رنکالے گئے راستے کا ہر ٹکڑا ''طود العظیم'' کی مانند رجیسا تھا۔ ''طود۔ط و د'' بوجھل اور جمی ہوئی چیز کو کہتے ہیں جو اپنی جگہ پر محکم ہو۔ ''العظیم'' کے اصل معنی ''بڑی ہڈی والا'' ہیں۔اور عام فہم بات ہے کہ جب ہم کسی مادی شئے کو حرف ''ک'' کے استعمال سے کسی دوسری شئے کے مانند رمثل کہتے ہیں تو اُس کے اصل معنوں ہی کی مناسبت سے کہتے ہیں۔''العظیم'' استعارہ کے طور رمفہوم میں بڑی رکبیر شئے اور ہستی کیلئے استعمال ہوتا ہے۔اِس کا مادہ ''ع ظ م'' ہے جس کے معنی ہڈی ہیں جس سے انسان کا ڈھانچہ (skelton) بنتا ہے۔ہڈی ایک مردہ شئے دکھائی دیتی ہے [Bone appears to be nonliving] اور ڈھانچے کے لئے انگریزی لفظ skelton جس یونانی لفظ سے لیا گیا اُس کے معنی عربی زبان کے لفظ ''يَبَسًا'' کے مرادف (synonym) مرطوب شئے کا خشک (dried up) ہو جانا ہیں۔

وَأَزْلَفْنَا ثَمَّ ٱلْأَخَرِينَ ۝
وَأَنجَيْنَا مُوسَىٰ وَمَن مَّعَهُۥٓ أَجْمَعِينَ ۝
ثُمَّ أَغْرَقْنَا ٱلْأَخَرِينَ ۝

اور ہم دوسروں کو اُس مقام کے قریب لے آئے۔
اور ہم نے موسیٰؑ اور اُن تمام کو جو اُن کے ساتھ تھے بلند رکھتے ہوئے بچا لیا
بعد ازاں بعد میں آنے والوں (فرعون اور اُس کے لشکروں) کو ہم جناب نے ڈبو دیا رغرق کر دیا۔(الشعراء۔۶۳۔۶۶)

اُن کے ڈوبنے کی وجہ اور سبب پہلے بتایا جا چکا ہے ''پھر بوجوہ سمندر میں سے اُن پر وہ آن پڑا راُن پر چھا گیا جس نے انہیں ڈبو دیا'' (طٰہٰ۔۷۸)۔جس خشک راستے پر چل کر بنی اسرائیل سمندر پار کر گئے تھے وہی كَٱلطَّوْدِ ٱلْعَظِيمِ ''بڑی ہڈی والے کی مانند بوجھل اور مستحکم ٹکڑوں پر مشتمل'' فرعون اور اُس کے لشکروں پر ''فَغَشِيَهُمْ'' آن پڑا تھا جس نے انہیں ڈبو دیا۔فرعون کا لشکر اسلحے سے لیس فوجیوں پر مشتمل تھا۔اُن کے بیک قدموں کی دھمک (resonance) سے ''پل'' کا کوئی ایک حصہ رٹکڑا سرکا تو تمام ''پل'' ٹوٹ کر بکھر گیا اور اُن پر آن پڑا جس نے انہیں سمندر میں ڈبو دیا وگرنہ تمام فوج اتنی آسانی سے ڈوبا نہیں کرتی (collapse)۔

[یہ منظر دوبارہ بھی دیکھا گیا تھا جب جاپانی فوجیوں کے ایک دستے کے پل عبور کرتے ہوئے بیک قدموں کی دھمک سے وہ ٹوٹ گیا تھا اور تمام فوجی ڈوب گئے تھے۔اُس کے بعد سے فوجیوں کو ہدایت کی جاتی ہے کہ پل پر قدم ملا کر نہیں بلکہ توڑ کر چلیں]

Resonance: increased amplitude of oscillation of a mechanical system when it is subjected to vibration from another source at or near its own natural frequency

امریکہ میں ٹکومہ نامی پل بھی اس بناء پر ٹوٹ کر بکھرا تھا جس کا سبب تیز ہوا (آندھی) تھی

The collapse of the Tacoma Narrows suspension bridge at Puget Sound, Washington, in 1940, was caused by wind-excited vibrations at the natural frequency of the structure.

إِنَّ فِى ذَٰلِكَ لَأَيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٦٧﴾ (الشعراء۔۲۰۔۶۷)

''یقیناً اِس واقعہ رمنظر میں یقیناً ایک فائدہ دینے والی بات رعلم ہے۔[اِس کے باوجود] مگر اُن میں اکثر ایمان لانے والے نہیں''

علم صرف ءَ ایَةً کا ہوتا ہے باقی سب چھ محض تخیل۔ءَ ایَةً ظاہری علامت، نشانی، شئے کو کہتے ہیں جس کا سماعتوں کیلئے متعین اسم اور بصارت کی صلاحیت کے احاطے میں آنا ممکن ہونا بنیادی شرط ہے۔ ہرءَ ایَةً بین اور غیر متبدل ہے۔ طفل کو بالغ اور بالغ کو طفل نہیں کہا جا سکتا۔ مختلف آیات کی انفرادیت اور اُن کے مابین باہمی ربط، تعلق (relationship)، فرق کو سمجھنا اور اس تعلق اور فرق سے پیدا ہونے والے نتیجے کو جاننا عقل سے کام لینا ہے۔ءَ ایَةً یعنی معلومات کے بغیر انسان کیلئے تعقل کرنا ممکن ہی نہیں۔ کسی بھی شئے، بات کو جاننے اور سمجھنے کیلئے اس کا ''پیچھا'' کرنا پڑتا ہے۔ علم کو جانچنا، پرکھنا، الٹنا پلٹنا وہ عمل ہے جو تعقل کہلاتا ہے (processing, analysing. examining information) جس سے معاملات کی باریکیوں کو انسان جان لیتا ہے۔ اُس کا اسے ادراک ہو جاتا ہے۔ اور یہ اُسے یقین کی منزل پر پہنچا دیتا ہے۔

قرآنِ حکیم نے بنی اسرائیل کے خروج کے متعلق مزید معلومات دیتے ہوئے اِس منظر کو دیکھنے کیلئے فرمایا

فَأَخَذْنَـٰهُ وَجُنُودَهُۥ فَنَبَذْنَـٰهُمْ فِى ٱلْيَمِّ ۖ

فَٱنظُرْ كَيْفَ كَانَ عَـٰقِبَةُ ٱلظَّـٰلِمِينَ ۝

''اِس لئے [متذکرہ جرم کی بناء پر] ہم جناب نے فرعون اور اُس کے لشکروں کو گرفت میں لیا،

اور بسبب انہیں سمندر میں پھینک دیا۔

اِس لئے اِس منظر کو دیکھ کہ ظالموں کا انجام کیسا ہوا!'' (القصص۔۴۰)

''فَـأَخَـذْنَـٰهُ'' حرف ''ف'' سبب (cause) کی موجودگی کا اظہار کرتا ہے۔ جہاں یہ موجود ہے وہاں بھی اِس سے فوراً قبل آیت ۳۹ کے آخر میں سبب بیان ہوا ہے اور اِسے واقعہ کے بیان میں ترتیب سے رکھ کر دیکھیں تو بھی سبب کی موجودگی کا اظہار کرتا ہے۔ قرآنِ مجید کا اعجاز اور لطافت یہ ہے کہ اِس کے جملے انفرادی طور پر بھی مکمل حقیقت کے عکاس ہیں۔ عربی مبین کے علاوہ ایسا کسی دوسری زبان میں ممکن نہیں۔ ''أَخَذَ'' کے معنی لینا، اختیار کرنا ہے جس کا مفہوم نتیجہ شئے کو گرفت میں لینا آ جانا ہے۔ ''فَـنَبَـذْ نَهُم'' میں حرف ''ف'' سبب (cause) کی موجودگی کا اظہار کرتا ہے جس کے ذریعے ''نَبَذْ نَهُم'' ہوا۔ ''نَبَذْ'' کے معنی کسی چیز کو پھینک

رڈال رتوڑ دیتا ہیں۔واضح ہوا وہ سمندر کی تہہ کی زمین پر نہیں چل رہے تھے بلکہ سمندر کے اوپر راستے پر تھے جہاں سے انہیں سمندر میں پھینک دیا گیا تھا۔

فَدَعَا رَبَّهُۥٓ أَنَّ هَٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُونَ ﴿٢٢﴾

''اِس لئے موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے رب کو پکارا'' یہ مجرم قوم ہے''

فَأَسْرِ بِعِبَادِي لَيْلًا إِنَّكُم مُّتَّبَعُونَ ﴿٢٣﴾

وَٱتْرُكِ ٱلْبَحْرَ رَهْوًا ۖ

إِنَّهُمْ جُندٌ مُّغْرَقُونَ o

[ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو وحی کیا] اِس لئے میرے بندوں کو رات کو لے چل، تم لوگوں کا پیچھا رتعاقب کیا جائے گا۔

اور (پار پہنچنے پر) سمندر کو آپ چھوڑ دیں، ساکن، بلند حالت (ridge) میں۔

تعاقب میں آنے والا یقیناً ایک غرق ہونے والا لشکر ہے'' (الدخان۔۲۲۔۲۴)

آیت مبارکہ میں بظاہر یہ الفاظ [ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو وحی کیا] موجود نہیں ہیں مگر حرف ''ف'' سبب رذریعے کی موجودگی کا اظہار کرتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو مصر ہی میں سمندر میں موجود خشک شئے کو نکال کر راستے کو ابھارنے اور اس پر سمندر کو عبور کرنے کے متعلق جو وحی کی گئی تھی اُس کے متعلق قاری کو چونکہ اِس سے قبل بتایا جا چکا ہے اِس لئے اُس کو یہاں دہرایا نہیں گیا مگر حرف ''ف'' سے ظاہر کر دیا۔

قرآنِ مجید میں بیان کردہ واقعات کو بصارتوں کے احاطے میں لانے کیلئے جس نکتے کو اجاگر کرنے کیلئے میں (emphsasis) زور دے رہا ہوں وہ حروف کے معنی اور اُن کے استعمال کے اتصالات کو نگاہ میں رکھنا ہے۔ حرف ''واؤ'' حرف ''ف'' سے بالکل مختلف اتصال، معنی اور مفہوم کا حامل ہے۔ قرآنِ مجید کے جس مقام پر ''وَاتْـرُكِ'' استعمال ہوا وہاں بھی بات میں تسلسل کو ظاہر کر رہا ہے اور تمام واقعے کے بیان کو یکجا کر کے پڑھیں تو یہاں بھی حرف ''واؤ'' کے استعمال کے علاوہ کوئی دوسرا حرف تمام کی تمام بات کے ربط اور تسلسل میں باعث انقطاع بن جاتا۔ نکالے ہوئے راستے کے ذریعے عبور کر جانے کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے سمندر کو'' ٱتْرُكِ'' ترک کیسے کرنا تھا؟ ''رَهْوًا'' ۔ یہ مصدر ہے جس کا مادہ ''ر ھ و'' ہے اور ابن فارس نے کہا کہ اِس کے بنیادی معنی دو ہیں: اول دونوں ٹانگوں کے درمیان کی کشادگی کو کہتے ہیں اور دوم ایسی جگہ کے ہیں جو کبھی (intermittently) بلند ہو جاتی ہو (promontory protruding) اور کبھی پست۔ معمولی غور کریں گے تو واضح ہو جائے گا کہ معنی درحقیقت ایک ہی ہیں۔ ٹانگوں کے درمیان کی کشادگی جس شئے کو نمایاں کرتی ہے اُس کیلئے جنس کے امتیاز کے بغیر ایک ہی لفظ (فرج) استعمال ہوتا ہے اور دونوں جنسوں کی اُس شئے میں کبھی بلند اور کبھی پست ہونا پایا جاتا ہے اور ''فرج'' کے معنی بھی دو چیزوں کے درمیان شگاف یا کشادگی ہیں۔

آئیں عربی مبین کی عظمت کو تسلیم کریں کہ اِس کے ہر لفظ میں مادے اور حیات سے متعلق تمام حقیقتیں سموئی ہوئی ہیں۔

اس واقع میں استعمال ہوئے تمام افعال اور اسماء میں بلندی، سطح سمندر کے اوپر، نیچے سے اوپر کی جانب ابھرنے، پنہاں اور زیرِ آب حالت سے سطح آب پر ابھرنے اور نمایاں ہونے، اوپر سے نیچے کی جانب سمندر میں پھینکنے کے معنی اور مفہوم ہے۔کوئی ایک لفظ ایسا نہیں جس میں سمندر کی تہہ، زیریں زمین کے معنی کا شائبہ بھی موجود ہو۔وہ تمام باتیں کہانایاں اور فلمی زیب داستان ہیں جو سمندر کی تہہ پر پانی کے بیچوں بیچ زمینی راستہ بتاتے ہیں۔

سطح سمندر پر ابھر آنے والے پہلے سے موجود خشک ہوئے راستے کے حوالے سے مرکب مِّنَ ٱلۡيَمِّ استعمال ہوا کہ وہ سمندر میں سے ابھرا تھا۔اور جب فرعون اور آل فرعون کا ذکر ہوا تو ان کو ابھرے مقام سے پھینک دیئے جانے کے مقام کو مرکب فِى ٱلۡيَمِّ ''سمندر میں، سمندر کے اندر'' سے بیان کیا گیا ہے۔

فَأَخَذۡنَـٰهُ وَجُنُودَهُۥ فَنَبَذۡنَـٰهُمۡ فِى ٱلۡيَمِّ

وَهُوَ مُلِيمٌ ۝

''اِس لئے [متذکرہ جرم کی بناء پر] ہم جناب نے فرعون اور اُس کے لشکروں کو گرفت میں لیا،

اور بسبب انہیں سمندر میں پھینک دیا۔

اور وہ قابل ملامت کام کرنے/رویہ کرنے والا تھا۔'' (الذاریات۔۴۰)

قرآنِ مجید کے بنی اسرائیل کے مصر سے خروج کو اختصار سے یوں بیان کیا جاسکتا ہے:

۱۔موسیٰ علیہ السلام رات کے وقت بنی اسرائیل کو مصر کے مشرق کی جانب خلیج سویز پر لے گئے تھے؛

۲۔فرعون نے اُن کے فرار کی اطلاع ملنے پر فوجی کمانڈروں کو خط لکھ کر اکٹھا کیا اور مشرق کی جانب اُن کا تعاقب کیا

۳۔مصر میں انہیں صرف اتنا کہا گیا تھا ''پھر بسبب نکال/نمایاں کر اُن کیلئے راستہ فِى ٱلۡبَحۡرِ يَبَسًا سمندر میں خشکی دینے والا۔ ''پھر بسبب نکال/نمایاں کر اُن کیلئے سمندر میں خشک ہوا راستہ''۔وقت کے اِس مقام پر موسیٰ علیہ السلام کو بھی معلوم نہیں کہ انہوں نے کون سے خشک ہوئے راستے کو نکالنا/نمایاں کرنا ہے اور کیسے کرنا ہے لیکن انہیں ایسا ہونے کے سبب کے موجود ہونے کے متعلق اور ہمیں بھی حرف ''ف'' کے استعمال سے اِس بات کا علم ہے۔

۴۔بنی اسرائیل ابھی سمندر کے اِس طرف ہی تھے کہ انہوں نے فرعون کے قریب پہنچتے ہوئے لشکر کو دیکھ لیا اور موسیٰ علیہ السلام سے گرفتار ہو جانے کے امکان کا اظہار کیا۔موسیٰ علیہ السلام نے اِس امکان کی دوٹوک نفی کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ اُن کی رہنمائی کرے گا۔

۵۔اِس موقعے پر انہیں بتایا گیا کہ اپنی چھڑی کے ذریعے اُس خشک ہوئے راستے کو باہر نکالیں رنمایاں کریں۔موسیٰ علیہ السلام کو جھٹ سے بات واضح ہوگئی۔اگرچہ خبر نہیں دی گئی لیکن مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے یہ سن کر جناب موسیٰ علیہ السلام مسکرائے بھی ہوں۔ممکن ہے کہ اُس وقت وہ اُسی راستے کے اوپر کھڑے تھے۔بعض سمندروں بشمول خلیج سویز کے بعض کناروں پر سمندر میں داخل ہوتا ہوا ''خشک راستہ'' ہوتا ہے جو پانی کی سطح کے فوراً اوپر یا سطح کے فوری نیچے دکھائی دے رہا ہوتا ہے جسے موجودہ دور میں **fringing reef** کہتے ہیں۔اِس طَرِيْقًا راستے کے متعلق کہا گیا تھا ''يَبَسًا'' خشک ہوا،اور ریف(**Reef**) کے معنی پانی کے ذخیرے میں ایک مخصوص ذی حیات کی کالونی (**Coral:marine organism that lives in colonies**) کا ابھرا ہوا بیرونی ہڈی نما ڈھانچہ(**skelton**) یا چٹان ہے جس کا اوپر کا حصہ پانی کی سطح کے بالکل اوپر یا بالکل نیچے ہوتا ہے۔**skelton** کے اصل معنی ''يَبَسًا'' ہیں۔

Fringing reefs may be uplifted intermittently, resulting in parallel, stepped subaerial terraces

۶۔اِس نکل رابھر آنے والے راستے کے مماثلت یوں بتائی گئی ہے كَٱلطَّوْدِ ٱلْعَظِيمِ ''بڑی ہڈی والے کی مانند بوجھل اور مستحکم ٹکڑوں پر مشتمل''۔کورل ریف(**coral reef**) ذی حیات سمندری مخلوق(**coral animals**) کے اپنے آباؤاجداد کے ڈھانچوں یعنی **skeletons** کے اوپر تہہ بر تہہ اوپر کی جانب پتھر رچٹان کی مانند بنی ہوئی شئے ہے جو سالانہ آدھے سے ساڑھے سات انچ ابھرتا رہتا ہے۔

۷۔موسیٰ علیہ السلام کو یہ ہدایت بھی دی گئی تھی کہ سمندر کو ترک یعنی دوسری جانب ساحل پر اترتے وقت اپنے عصا کو استعمال نہیں کرنا بلکہ زمین پر اترتے وقت سمندر کو ''رَهْــــوًا'' نکلا ہوا،نمایاں،ابھرا ہوا چھوڑنا ہے تاکہ فرعون اپنے لشکروں کے ساتھ اِس راستے کو استعمال کرے کہ انہیں سمندر میں غرق ہونا ہے۔اور پھر ایسا ہی ہوا کہ یہ راستہ (پل) ٹوٹ(**collapse**) کر بکھر گیا اور وہ سمندر میں پھینک دیئے گئے ''فَغَشِيَهُمْ'' اور اِس بھاری بھر کم پل کے اُن پر چھا جانے نے انہیں ڈبو دیا۔**الحمد لله**